بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ شمار نمبر/36 برائے بتاریخ 25/جنوری 2019 پیش خدمت ہے۔

# غلبۂ دین کی جدوجہد، سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی

**نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔اما بعد۔**

**قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید۔**

**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔**

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ۔

وقال اللہ تعالیٰ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔
الھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم۔

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زندگی گزارنے کا ایک نظام دیا ہے۔ ایک ایسا نظام جو زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری دنیا میں اسی دین کا غلبہ ہو اور انسان نہ صرف اپنی انفرادی زندگی میں بلکہ اپنی اجتماعی زندگی کو بھی اسی دین کے تابع فرمان رکھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے: و جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ۔

اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان اس دین کے غلبہ کے لئے دوڑ دھوپ کریں، جدوجہد کریں، اپنی صلاحتیں اور توانائیاں صرف کریں یہاں تک کے اس عظیم جدوجہد کا حق ادا ہو جائے۔ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ مالک حقیقی کے احکامات کو مانیں اور عمل کریں۔ خدائی نظام کو اپنے قول و عمل سے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عام کریں تا کہ دنیا کا ہر انسان اپنے مالک حقیقی کی مرضی کو جان کر اس کی ہدایت کے عین مطابق اپنی زندگی گزار سکے۔ فرد کی اصلاح، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل اور ریاست

کے نظام کو خدائی نظام کا پابند بنانا اس جدوجہد کے مراحل ہیں۔ امت مسلمہ غلبہ دین کی جدوجہد کو اپنا لائحہ عمل بنا کر ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتی ہے ورنہ پستیوں سے نکلنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

آج دنیا بھر میں اہل ایمان ایک ارب ۵۸ کروڑ کی تعداد میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، انسانی صلاحیتیں بھی بے مثال ہیں، دینی محبت بھی وافر ہے، بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی جانب سفر کا جذبہ دیدنی ہے، ماہ رمضان اور عید قربان کے مواقع اہل ایمان کی دینی وابستگی کو اجاگر کر دیتے ہیں۔ مخیر حضرات انفرادی طور پر خدمت خلق اور نیکی کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ان جذبوں سے واضح ہوتا ہے کہ اُمت میں دین کے غلبہ اور دین کی اقامت کا جذبہ موجود ہے مگر گروہ بندی، فرقہ پرستی، دل آزاری، عدم برداشت نے ملت اسلامیہ کو لاتعداد مسائل، مشکلات اور بحرانوں سے دوچار کر دیا ہے۔

سورۃ الشوریٰ، آیت 13 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ یہ ہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار گزرتی ہے جس کی طرف ائے محمد ﷺ تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو کلمہ توحید کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں اُن کو دو باتوں کی ہدایت دی ہے ایک یہ کہ غلبہ دین کا کام کرو اور دوسرا یہ کہ تفرقہ بازی سے اجتناب کرو۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس واضح حکم کے ہوتے ہوئے بھی امت انتشار و خلفشار کا شکار ہے۔ ملت اسلامیہ کے قائدین کا محض اپنی انا، شہرت اور جاہ و منصب کی خاطر اُمت کو اتنے بڑے خسارے میں ڈال کر عافیت کی زندگی گزارنا دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اپنے فرقہ اور اپنے مسلک کو اصل

مقصد پر ترجیح کا ہی نتیجہ ہے کہ اُمت اخلاق، تہذیب، عقائد، وحدت واتحاد سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اسلام دشمن قوتیں، استعمار و اغیار مکر و فریب سے غلبہ پارہے ہیں۔ غلبہ دین کے راستے مسدود کرکے نت نئے مسائل اور بحران اُمت کو پارہ پارہ کررہے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے بقول:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

ضرورت ہے کہ ماضی کے تلخ حقائق سے سبق حاصل کرکے اخلاص کے ساتھ ایک امت بن کر غلبہ دین کی جدوجہد کی جائے۔ مسلکی اختلافات تو رہیں گے لیکن ان اختلافات کو اس عظیم مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیے جس کا حکم اللہ نے امت مسلمہ کو دیا ہے۔ اس کام کو کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمارے لئے کافی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت آپ کی قائم مقام ہے کہ اس مشن کو لے کر اُٹھے اور اس ہدایت کی علَم بردار بنے۔ آپ کی تعلیمات کا خود بھی پیکر بنے، اس کے سانچوں میں ڈھلے، اور اس وسیع و عریض دنیا تک آپ کا پیغام پہنچائے۔

سامعین کرام! اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور دین کو انفرادی واجتماعی زندگی کا دین بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ آج ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارے اندر اس ذمہ داری کا احساس کتنا ہے۔ واقعات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، اپنے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہاں بیٹھے تھے، ان سے کہا کہ عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قدرے حیران ہوئے، عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں قرآن سناؤں؟ یہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے، آپ ہی سے ہم نے سنا ہے، آپ ہی سے ہم تک پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، عبداللہ! آج تو جی چاہتا ہے کہ کوئی پڑھے اور میں سنوں۔ حکم تھا، آپ اسی طرح منبر پر تشریف فرما رہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نیچے بیٹھے ہوئے

سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے: ترجمہ، ”پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمھیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے“ (النساء ۱۴:۴) ، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اندازہ ہوا کہ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ہاتھ کے اشارے سے روک رہے ہیں، حسبک حسبک، عبداللہ ٹھیر جاؤ، عبداللہ ٹھیر جاؤ۔ سر اُٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آں حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس گواہی، شہادت اور ذمہ داری کے احساس سے گویا دبے جا رہے ہیں، اور آنکھوں سے آنسوؤں کا رواں ہونا تو پورے جسم و جان کی کیفیت کی گواہی دے رہا ہے کہ اندر کیا ہلچل ہے، کیا کیفیت ہے کہ جس سے آپ گزر رہے ہیں۔

گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لمحے سے پریشان ہیں جب پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اس پیغام کو پہنچایا، لوگوں کے دلوں کو گرمایا، ان کے جسم و جان کو ان راہوں پر لگایا، تم نے لوگوں کو منزل کا شعور دیا، تم نے انھیں جدوجہد کا پیکر بنایا، تم نے چاردانگ عالم میں اس نئی کش مکش کی داغ بیل ڈال کر اس کی طرف ان کو بلایا؟ یہ احساس اور احساس کی شدت آپ کو رُلا رہی ہے۔

یہ اُمت آپ کی قائم مقام ہے اور آپ رہتی دنیا تک اُمت کو اس حوالے سے رہنمائی دے رہے ہیں۔ جو لوگ اس مشن کو لے کر چل رہے ہیں وہ اُن پوری بستیوں کے ذمہ دار ہیں جہاں وہ اپنے شب و روز بسر کرتے ہیں۔ کبھی اتفاقاً آدمی اپنے آپ سے یہ سوال کرلے کہ قرآن تو میں بھی پڑھتا ہوں کہ اگر پوچھ لیا جائے کہ ان بستیوں میں تم نے کیا کام کیا، کتنے دلوں پر دستک دی، کتنے دل کے دریچے کھولنے کا تم ذریعہ اور سبب بنے، اور کتنے دریچہ ہائے دل ایسے تھے جو تکتے رہ گئے کہ کوئی آئے اور بتائے تو سہی کہ اسلام کہتے کس کو ہیں!

محترم حاضرین !اگر ہم کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی کرنی ہے، اور ان کے مشن کو لے کر آگے چلنا ہے تو یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اسوۂ حسنہ کی اتباع نہ کی جائے۔ ہم میں سے ہر

ایک کو اپنے طور طریقوں اور رویوں میں، اپنے شب و روز کے معمولات اور اپنے مشاغل و مصروفیات میں تبدیلی لانی چاہیے، اور اس بات کو دیکھنا چاہیے کہ جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے اور فی الحقیقت اس کو نبھانے کے لیے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ فرداً فرداً کوئی کسی کو نہیں بتا سکتا لیکن ہر شخص اپنے بارے میں خود جانتا ہے، اسی کے مطابق اس کو اپنے لیے لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔

اس کام کو کرنے کے لئے اللہ سے تعلق بہت ضروری ہے۔ یہ تعلق ہی آپ کو کام پر لگائے گا اور تعلق جتنا گہرا ہو گا، سرگرمی اتنی ہی زیادہ اور اخلاص کے ساتھ ہو گی۔ اسی طرح سیرت النبی ﷺ سے ہمارا والہانہ لگاؤ ضروری ہے۔ سیرت کے ہر واقعے کے اندر ہمارے لئے زبردست رہنمائی موجود ہے۔ نہ صرف رہنمائی بلکہ آنکھوں کے لیے نمی، دلوں کے لیے گداز اور قلوب کے لیے خوف و خشیت کی کیفیت موجود ہے۔ اگر ان تمام واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ جوڑ لیں کہ ایک واقعہ پیش آیا، پھر دوسرا پیش آیا، صبح کو یہ ہوا، پھر دوپہر کو یہ اور شام کو یہ ہوا۔ پھر لوگوں نے کانٹے بچھا دیے۔ پھر لوگوں نے پتھر برسائے اور گالیاں دینے لگے۔ پھر لوگوں نے حالتِ نماز میں او جھڑی رکھ دی، پھر لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا۔ یہ تمام واقعات کسی ترتیب کے ساتھ جمع کر لیں تو جوڑتے جوڑتے لگے گا کہ واقعیہ تو پہلے دن سے کسی منزل کا تعین کر کے کسی انقلاب کی طرف رہنمائی ہو رہی ہے، اور لوگوں کو ایک بڑے مقصد کی طرف بلایا جا رہا ہے۔

یہ اتفاقی اور حادثاتی طور پر رونما ہونے والے واقعات نہیں ہیں۔ سیرت کے تمام واقعات ایک مقصد کی طرف لے جاتے ہیں، منزل کا شعور دیتے ہیں۔

واقعہ طائف پر نظر ڈالیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب و شدائد کا دور مکے میں گزارا ہے۔ مکے میں جب دعوت و تبلیغ اور اللہ کی طرف بلاتے ہوئے آپ کو ایک مدت گزر گئی، تو یہ احساس ہوا کہ بہت تھوڑے لوگ اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں اور اس کو بہت کم پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ گویا ایک تجزیہ کیا، جائزہ لیا، اور پھر آپ نے طے کیا کہ مکہ کے لوگ تو بات قبول ہی نہیں کر پا رہے ہیں، چلو طائف کا رُخ

کرتے ہیں، اور طبیعت اور مزاج کے اندر یہ بات رچی بسی تھی کہ کیا عجب کہ طائف کے لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں، اور یہ دعوت محض نظریاتی اور لفظوں کا پھیر نہ رہے بلکہ سلطنت بن جائے۔ کیا عجب کہ یہ دعوت ریاست قرار پائے، یہ دعوت مقتدر ہو جائے، اس دعوت کا سکّہ رواں ہو جائے، یہ دعوت قیل و قال کے حوالوں سے بھی جانی پہچانی جائے اور احکامات و ہدایات کے نازل ہونے اور ان پر عمل درآمد کے حوالے سے بھی۔ کس قدر روشن ہے، کیسی بصیرت و بصارت ہے، کس قدر دُوراندیشی اور دُوربینی ہے کہ اس دعوت کو یہاں پر وہ فروغ حاصل نہیں ہو رہا، لیکن وہ تمکن اور غلبہ جو اس دعوت کے اندر پنہاں ہے، اور حالات کی بہتری اسی وقت ہاتھ آئے گی جب یہ دعوت غالب آجائے گی۔ اس تجزیے اور ان امیدوں کے ساتھ، اس سوچ اور فکر کے ساتھ آپ نے طائف کا سفر کیا۔

لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت اپنی ہے اور یہ خود ایک موضوع ہے، اور لوگوں نے اس پر بہت لکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جو پوری کائنات کا فرماں روا ہے، قہار و جبار ہے، طاقت کے ہر سرچشمے کا مالک ہے، وہ اپنے محبوب ترین بندے کو دیکھتا ہے کہ ستایا جا رہا ہے، اُلٹے پیروں لوٹایا جا رہا ہے، جابجا پتھروں اور گالیوں کی یورش میں ایک مضبوط انسان کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے۔ کیفیت کو بیان کرنے کے لیے الفاظ تلاش کرنا مشکل ہے۔ بعض لوگ خود ہی پوچھتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ اگر انسانی الفاظ اور جذبات کا سہارا لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ کیا گزر رہی ہو گی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین بندے کو ان کیفیات سے گزار رہا ہو گا، مشکلات و مصائب میں دیکھ رہا ہو گا۔ غرض اس واقعہ کا اصل پیغام اور اسوہ حسنہ تو یہی ہے کہ اللہ کا یہ دین اس قابل ہے کہ اس کو غالب کرنے کی جدوجہد میں جان کی پرواہ نہ کی جائے، شدائد و مشکلات میں ثابت قدم رہیں اور امید و حوصلہ رکھیں کہ اللہ کی نصرت و مدد ضرور آئے گی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور کبھی نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ دے جو اس کے دین کی خاطر صبر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

محترم حضرات کبھی تنہائی کی گھڑیوں میں اپنا جائزہ ضرور لیجئے کہ کیا کبھی آپ کو غلبہ دین کی جدوجہد کا کوئی خیال چھو کر بھی گزرا ہے؟ اللہ کے اس دین کو آپ نے اپنی زندگی میں کیا مقام دیا ہوا ہے؟ اس دین کا آپ کے گھر میں اور آپ کی بستی میں کیا حال ہے اور آپ کیا کر رہے ہیں؟۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی دینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العالمین